8

کامل اور مخلص مومن بننے کے لیے کیا کرنا چاہیے

(فرمودہ 25 فروری 1944ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"جب انسان کو کوئی صداقت ملتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ مجھے ایک صداقت ملی ہے تو وہ قدرتی طور پر اس کے ساتھ اپنا لگاؤ ظاہر کرتا اور اُس کے ماتحت چلنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ یہ خواہش اتنی وسیع ہے کہ جب بھی کسی اچھی چیز پر انسان کی نظر پڑتی ہے تو اس کے دل میں یہ خواہش ضرور پیدا ہوتی ہے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ انسان اسے پورا کرنے کی کوشش بھی کرے اور جب تک وہ اس کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اس کی پوری قدر کی ہے۔

دنیا میں کروڑوں آدمی ایسے ہیں جو مختلف ممالک کے حالات جب کتابوں میں پڑھتے یا دوسرے لوگوں سے جو ان ممالک کی سیر کر آتے ہیں سنتے ہیں تو ان کے دل میں ان ممالک کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ان کے دل و دماغ میں اچھے نظاروں کی طرف ایک لگاؤ پیدا ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ ان کو دیکھا جائے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے مگر واقع میں دیکھنے کے لیے جو جاتے ہیں ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ جب لوگ کشمیر کے حالات پڑھتے یا وہاں کے نظاروں کا ذکر دوسروں سے سنتے ہیں

یا یورپ کے ممالک کے حالات پڑھتے یا دوسروں سے سنتے ہیں تو چاہے کسی شخص کی آمد دس روپیہ ماہوار ہی کیوں نہ ہو اُس کا دل ضرور چاہتا ہے کہ مَیں بھی ان نظاروں کو دیکھوں مگر وہ خواہش عارضی ہوتی ہے۔ آتی اور گزر جاتی ہے۔ اس خواہش کے پیدا ہونے کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ یہ حقیقی خواہش ہے۔ بعض اوقات انسان کے دل میں خواہش تو بڑے زور کی ہوتی ہے مگر اُسے پورا کرنے کی مقدرت وہ نہیں رکھتا۔ اور بعض دفعہ مقدرت اور سامان تو میسر ہوتے ہیں مگر پھر بھی انسان اُسے پورا نہیں کرتا۔ ہزاروں لکھ پتی اور سینکڑوں کروڑ پتی ہندوستان میں ہیں مگر کیا وہ سارے یورپ کی سَیر کر آئے ہیں؟ ان کے دل میں خواہش بھی پیدا ہوتی ہے مگر باوجود سامان ہونے کے وہ جاتے نہیں۔ اسی طرح علوم کو لے لو۔ لوگوں کے اندر یہ خواہش تو پیدا ہوتی ہے کہ وہ علوم کو سیکھیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فلسفہ ایک دلچسپ چیز ہے منطق، علم النفس، علمِ ریاضی اور دیگر علوم بہت مفید ہیں ڈاکٹر بننا بڑی اچھی بات ہے، وکیل بڑا اچھا ہوتا ہے، ہر اچھے پیشے کو دیکھ کر انسان کے اندر اسے سیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک آدمی کسی ڈاکٹر سے خوش ہوتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ وہ خود یا اُس کا لڑکا ڈاکٹر ہو۔ جب وکیل کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو اس کے اندر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ خود وکیل بنے یا اپنے لڑکے کو وکالت کی تعلیم دلوائے۔ غرضیکہ ہر علم اور ہر پیشہ کو دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اُسے حاصل کروں۔ مگر کیا اس خواہش کے پیدا ہونے سے ہر شخص ڈاکٹر یا وکیل یا انجینئر بن جاتا ہے یا اپنے بیٹوں کو بنالیتا ہے؟ نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اُسی دن بلکہ ایک گھنٹہ کے بعد اُسے یہ امر یاد بھی نہیں رہتا۔ تو محض خواہش کا دل میں پیدا ہونا کسی کو اُس پیشہ یا فن کی خوبیوں سے متمتع نہیں کرسکتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ آج کسی کے دل میں ڈاکٹر بننے کی خواہش پیدا ہو تو اگلے روز مریض اس کے پاس علاج کے لیے چلے آئیں۔ یا وکیل بننے کی خواہش ہو تو لوگ اُس کے پاس مقدمات لے آئیں۔ یا اگر دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ مَیں تاجر بنوں گا تو اگلے روز تھوک فروش دکاندار اسے ہول سیل نرخ پر مال دے دیں محض اس لیے کہ اس کے دل میں تاجر بننے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ یہ خواہش پیدا ہونے کے باوجود وہ جب بازار سے اپنی ضروریات خریدنے جائے گا تو ایک عام فرد کی طرح ہی سودا لے گا۔ یہ نہیں کہ دکاندار اسے

ایک تاجر کی حیثیت سے مال دے دیں گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ۔[1] یعنی جب کفار قرآن کریم کی تعلیم سنتے ہیں، اخلاق یا نظامِ قومی کے متعلق اسلامی ہدایات کا ان کو علم ہوتا ہے، ہمسایوں کے متعلق، عورتوں، خاوندوں، والدین، بچوں، غریبوں، مسافروں کے متعلق اسلام نے جو تعلیم دی ہے، مزدوروں اور سرمایہ داروں کے بارہ میں جو احکام دیئے ہیں ان سے ان کو آگاہی ہوتی ہے اور ہر شخص دیکھتا ہے کہ اس میں اس کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے اور ایسے قوانین بنائے گئے ہیں کہ کوئی کسی کا حق نہ دبا سکے۔ ہر ایک اطمینان حاصل کر سکے۔ ایک مزدور جو رات دن اپنے مالکوں سے لڑائی جھگڑا کرتا ہے کہ میرا یہ حق نہیں ملا وہ نہیں ملا جب دیکھتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم ایسی ہے کہ جس سے اس کے تمام حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں تو وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ بات بڑی اچھی ہے۔ اسی طرح عورتوں اور مردوں کا حال ہے۔ ہر ایک کے حقوق کی حفاظت تسلی بخش طور پر اسلام نے کی ہے اور جو بھی اپنے متعلق اس کی تعلیم سے آگاہ ہوتا ہے وہ اس کی خوبی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کہے گا کہ اے مسلمان! آ تجھے میں جنت میں داخل کروں۔ کیونکہ اس کے یہ معنے نہیں کہ اس شخص کے دل میں ایمان پیدا ہو چکا ہے۔ یہ تو اسلام کی تعلیم کی خوبی کی علامت ہے۔ جیسے کشمیر کے حالات پڑھ کر یا سن کر انسان کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ مَیں بھی اسے دیکھوں۔ یورپ کے حالات معلوم کر کے وہ چاہتا ہے کہ ایسے اچھے نظائر کا مشاہدہ کروں۔ تو اس کا یہ نتیجہ نہیں ہوتا کہ اگلے دن لوگ اس کے پاس ان مقامات کے حالات یہ سمجھ کر سننے کے لیے آجائیں کہ اُس کے دل میں چونکہ ان کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی اس لیے یہ ان کو دیکھ چکا ہو گا۔ بلکہ خواہش کا پیدا ہونا تو محض ان مقامات کے حالات میں بیان کردہ نظّاروں کی خوبی کی دلیل ہے۔ اسی طرح اسلام کی تعلیم کی خوبی کا اقرار محض اس تعلیم کی برتری کی دلیل ہے۔ اس سے نہ تو خود وہ انسان اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے لگتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے مسلمان سمجھ کر اس سے معاملہ کرے گا۔ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ مَیں ملک کے لیے لڑوں تو گورنمنٹ اس کی تنخواہ مقرر نہیں کر دیتی۔ یہی حال دین اور ایمان کا ہے۔

اگر ایمان لانے کی دل میں محض خواہش پیدا ہو تو ایسا شخص خدا تعالیٰ کے ہاں مومن شمار نہیں ہونے لگتا۔ جیسے ایک شخص مثلاً مزدوروں کے بارہ میں اسلام کی تعلیم کو پڑھتا یا سنتا اور اس کی تعریف کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہر شخص کی روٹی اور کپڑے کی ذمہ دار حکومت تھی اور تعلیم کا بندوبست بھی حکومت کرتی تھی اور دوسری طرف یہ دیکھتا ہے کہ ہندوستان میں لاکھوں کروڑوں لوگ ایسے ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ کاش! ہمیں بھی ایسی حکومت نصیب ہوتی۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ایسا کہنے والا مسلمان ہو گیا۔ کیا کوئی مسلمان اسے مسلمان سمجھ کر اس سے رشتہ وغیرہ قائم کرنے کو تیار ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے معنے تو صرف یہ ہیں کہ تمدن کے متعلق اسلام کی تعلیم کو لوگ برتر اور افضل سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً ایک عورت ہے جس کی اپنے خاوند سے لڑائی رہتی ہے اور خاوند اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا، کسی مسلمان عورت کے ساتھ اس کی ملاقات ہو اور اس کو پتہ لگے کہ اسلامی نظام اور احکام کے ماتحت عورت طلاق حاصل کر سکتی ہے اور وہ یہ بات معلوم کر کے کہے کاش! ہمارے مذہب میں بھی ایسا ممکن ہوتا۔ تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہو سکتے کہ وہ مسلمان ہو گئی۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمان سمجھی جائے گی اور نہ لوگ اسے مسلمان سمجھ کر اس سے ایسا سلوک کریں گے جو ایک مسلمان دوسرے سے کرتا ہے۔ اس کے دل پر چونکہ چوٹ لگی ہوئی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی مشکل کا حل اسلامی تعلیم میں موجود ہے تو وہ اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔ مگر اس کے معنے صرف یہ ہیں کہ وہ اس بارہ میں اسلام کی تعلیم کی برتری کا اعتراف کرتی ہے۔

غرض ہر شخص جب اپنے پیشہ یا اپنے طبقہ کے لیے اسلام کی تعلیم معلوم کرتا تو بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ کاش! ہمارے ہاں بھی ایسے ہی احکام ہوتے۔ مگر اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ نہ لوگ اسے مسلمان سمجھتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ اسے مسلمان قرار دیتا ہے۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں دنیا میں موجود ہیں اور ہزاروں قسم کے لوگ ہیں جو اپنی اپنی حیثیت مثلاً باپ بیٹا، بھائی بہن، ماں باپ، خاوند بیوی، مزدور آقا کی حیثیت سے اسلام کی تعلیم کی برتری کا اقرار کرتے ہیں۔ اپنے اپنے مذہب کی تعلیم سے دکھی دلوں کو جب اسلام

کی تعلیم کا علم ہوتا ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ کاش! ہمارے مذہب میں بھی ایسے ہی احکام ہوتے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ مسلمان ہوگئے اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایک مسلمان کے طور پر سلوک کرے گا۔

اسی مثال کو ہر شخص اپنے اوپر چسپاں کر کے دیکھے۔ ہم جب دین کی بات سنتے ہیں، اسلامی احکام سنتے یا قرآن کریم میں پڑھتے ہیں تو ہمارے اندر بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ان پر عمل کریں۔ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسلام اور سلسلہ کے لیے اپنا وقت، اپنا علم، اپنا مال و دولت قربان کرتے ہیں تو ہمارے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم بھی ایسا کریں۔ مگر محض اس خواہش کے پیدا ہونے سے اسلام یا سلسلہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ محض دل میں قربانیوں کی خواہش کے پیدا ہونے پر تو ہمارے متعلق وہی بات کہی جاسکتی ہے جو قرآن کریم نے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ بیان فرمائی ہے اور ہمارے متعلق اس کے بجائے یہ کہا جاسکے گا کہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لَوْ كَانُوْا مُخْلِصِيْنَ۔ اور جس طرح رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ کے مصداق لوگ مسلم کا مقام نہیں پاسکتے اِسی طرح رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لَوْ كَانُوْا مُخْلِصِيْنَ کے مصداق لوگ مخلصین کا مقام حاصل نہیں کرسکتے۔ اگر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ وہ کافر مسلمان ہوگئے تو بے شک قربانی کی خواہش پیدا ہونے پر ہم لوگ بھی مخلص کہلا سکیں گے۔ لیکن جب یہ خواہش کہ کاش! ہمارے ہاں بھی ایسی ہی تعلیم ہوتی، کفار کو مسلم نہیں بنا سکتی تو محض قربانی کی خواہش کا پیدا ہونا ہمارے اندر اخلاص کے موجود ہونے پر کیونکر دلالت کرسکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ مَیں تو سچی خواہش رکھتا ہوں کہ دین کے لیے قربانی کروں تو ہم کہیں گے کہ وہ عورت جو ازدواجی زندگی کی پریشانیوں میں مبتلا ہے وہ بھی تو سچی خواہش ہی رکھتی ہے کہ کاش! خلع کے مسئلہ پر وہ عمل کرسکتی۔ اسی طرح ہر شخص جو اپنی حیثیت کے لحاظ سے دکھی ہے جب اسلام کی تعلیم کو سنتا تو اس کے دل میں بھی سچے طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش! اسلام کے اس حکم پر وہ اور اس کے ساتھی عمل کرسکتے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کسی غیر مسلم کو خلع کے مسئلہ سے اختلاف ہو کیونکہ اُس کے دل پر کوئی چوٹ نہ لگی ہو۔

لیکن جس کے دل پر چوٹ لگی ہو وہ یقیناً اس سے اتفاق کرے گا اور اس کے دل میں یہ سچی خواہش پیدا ہوگی کہ یہ حکم ان کے ہاں ہونا چاہیے۔ اِسی طرح جن لوگوں کو اسلام سے بُغض نہیں، اسلامی احکام کو سن کر ان کے دل میں بھی لازماً یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ان کے ہاں بھی یہ تعلیم رائج ہو اور اس طرح فرداً فرداً بنی نوع انسان سے سارے اسلام کے مفید ہونے کی تصدیق کرائی جاسکتی ہے اور کوئی حکم اسلام کا ایسا نہیں جس کی تصدیق نہ ہوسکے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ جو لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں وہ مسلمان ہوگئے۔ بعض لوگ خلع کے قانون کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، بعض قانونِ وراثت کی، بعض ان قوانین کی جو مزدوروں کے متعلق ہیں اور بعض ان کی جو آقاؤں کے متعلق ہیں۔ اسی طرح اسلام کے ہر حکم کی تصدیق کرنے والے لاکھوں لوگ مل جائیں گے۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔ اس تصدیق کے معنے صرف یہ ہوں گے کہ اسلامی تعلیم بہت اعلیٰ ہے۔ اسی طرح ہم میں سے جو لوگ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ہم بھی دین کے لیے قربانیاں کریں، اسلام کی خدمت کریں، وہ خدا تعالیٰ کے ہاں خدمت کرنے والے شمار نہیں ہوسکتے۔ اس خواہش کے یہ معنے ہیں کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے احکام بہت ضروری ہیں لیکن اس سے وہ کامل اور مخلص مومن نہیں بن سکتے۔

کامل اور مخلص مومن وہی ہے جو عملی طور پر بھی قربانی کرتا ہے اور جو خدمت اس کے سپرد کی جاتی ہے اور جو ذمہ داری اس پر ڈالی جاتی ہے اس کو پوری طرح ادا کرتا ہے۔ ایسے لوگ جو خدمات نہیں کرسکتے ان کا بھی ثواب پاتے ہیں۔ جو خدمت ان کے سپرد ہوتی ہے اُس کا ثواب تو ملنا ہی ہے لیکن جن خدمات کا موقع ان کو میسر نہیں آتا ان کا ثواب بھی ان کو مل جاتا ہے۔ ان کی مثال اُس شخص کی ہے جو بوجہ کسی بیماری کے اپنا ایک ہاتھ یا کوئی دوسرا عضو وضو کے وقت دھو نہیں سکتا لیکن اُس کے نہ دھونے کے باوجود اُس کا وضو مکمل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح وہ مومن جو ان خدمات کو پوری طرح ادا کرتے ہیں جو ان کے سپرد ہیں ان سے جو خدمات رہ گئیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو نہیں پکڑے گا۔ ایک شخص نماز باقاعدہ اور باجماعت پڑھتا ہے، اپنی حیثیت کے مطابق چندہ دیتا اور تبلیغ کرتا ہے لیکن اس کے پاس

اتنا مال جمع نہیں کہ زکوٰۃ ادا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے زکوٰۃ ادا کردی۔ یا اگر وہ حج نہیں کر سکا کیونکہ اس کے حالات ایسے نہ تھے کہ اس پر حج فرض ہوتا تو وہ خدا تعالیٰ کے دفتر میں حج کرنے والوں میں ہی لکھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے دوسرے احکام پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اگر اسے توفیق ملتی تو وہ ضرور ان نیکیوں کو بھی بجالاتا جو وہ بجا نہ لا سکا۔ ایسی صورت میں بے شک اُس کی خواہش ہی اس کے عمل کے مترادف ہو گی کیونکہ اگر اُس نے زکوٰۃ نہیں دی تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے لیے زکوٰۃ ادا کرنے کا موقع ہی نہ تھا۔ اگر اس نے حج نہیں کیا تو اِس واسطے کہ وہ ایسا کرنے سے معذور تھا اس لیے اس کی خواہش ہی کافی سمجھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہی سلوک ہے۔ پس دل میں نیکی کی خواہش کا پیدا ہونا کافی نہیں۔ ہاں! جن نیکیوں کی توفیق انسان کو ملتی ہے، جن کے کرنے کا اس کے لیے موقع ہے اگر وہ انہیں ادا کرتا ہے تو پھر بے شک جن نیکیوں کے کرنے کی طاقت اسے نہیں اللہ تعالیٰ کے دفتر میں اس کا نام ان کے کرنے والوں میں ہی لکھا جائے گا۔ پس انسان کو چاہیے کہ جو نیک خواہشیں وہ پوری کر سکتا ہے انہیں پورا کر دے۔ پھر وہ خواہشات جن کا پورا کرنا اس کے اختیار میں نہیں ان کا اجر اللہ تعالیٰ اُسے خود بخود دے گا۔ جس درجہ کے مطابق اس کی نیکیاں ہوں گی اُسی درجہ کے مطابق اُسے ان نیکیوں کا ثواب مل جائے گا جن کا کرنا اس کے اختیار سے باہر ہو گا۔ ایک شخص نماز پڑھتا، روزے رکھتا، چندہ دیتا، تبلیغ کرتا اور وہ تمام نیکیاں کرتا ہے جو وہ کر سکتا ہے تو جس درجہ کے مطابق اُس کی یہ نیکیاں ہوں گی اُسی درجہ کا اُسے زکوٰۃ کا ثواب مل جائے گا، اُسی درجہ کا اُسے حج کا ثواب مل جائے گا۔ اگر معذوری کی وجہ سے وہ زکوٰۃ ادا نہ کر سکا یا حج نہ کر سکا ہو۔ لیکن اگر کسی کے دل میں کوئی نیک خواہش پیدا ہو وہ اسے پورا کر بھی سکتا ہو ادا نہ کرے تو اس نیک خواہش کے صرف پیدا ہونے سے اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور اس کی مثال انہی لوگوں کی ہو گی جن کا ذکر رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ میں کیا گیا ہے۔ ایسے لوگ اسلامی احکام کی صحت و درستی کے قائل ہیں۔ مانتے ہیں کہ یہ تعلیم بڑی اچھی ہے اسے اپنے ہاں جاری کرنے کا احساس بھی ان کے دل میں ہوتا ہے اور اس کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ مگر ان سب

باتوں کے باوجود وہ ہیں کافر کے کافر۔ اِسی طرح وہ مومن جو نیک خواہشات کو پورا کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود انہیں پورا نہیں کرتا اور سمجھتا یہ ہے کہ دوسرا موقع آنے پر پورا کرے گا وہ غیر مخلص کا غیر مخلص ہی ہے۔

پس اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کو ٹٹولو اور سوچو کہ تم پر جو ذمہ داریاں ہیں تم ان کو اس معیار کے مطابق ادا کرتے ہو یا نہیں جو تم کر سکتے ہو۔ اور دین کے لیے جتنی قربانی تم کر سکتے ہو اُتنی کرتے ہو یا نہیں۔ اگر کرتے ہو تو جن کا کرنا تمہارے قبضہ اور طاقت میں نہیں اُن کے کرنے کی خواہش کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ تمہیں ان کا اجر دے دے گا۔ لیکن اگر جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ بھی نہیں کرتے تو یہ کہنا کہ دوسری نیکیوں کا موقع اگر ملے تو تم وہ ضرور کرو گے بالکل غلط خیال ہے۔ اگر چندہ دے سکنے کے باوجود ایک شخص چندہ نہیں دیتا تو اُس کا یہ کہنا کہ اگر دین کے لیے جان دینے کا موقع ملے تو مَیں ضرور دے دوں کیونکر درست سمجھا جا سکتا ہے۔ جو شخص تھوڑی سی مالی قربانی نہیں کر سکتا یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ جنگ میں جان بھی دیدے گا۔ پس اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اور دیکھو کہ تم ان نیک خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہو یا نہیں جن کو تم پورا کر سکتے ہو۔ اگر کرتے ہو تو یقیناً تمہیں ان کا ثواب بھی ملے گا جن کا پورا کرنا تمہارے اختیار میں نہیں۔ یہ ایک ایسا گُر ہے کہ جس سے بہت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور اس کے مطابق اگر مومن اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے تو ایمان اور عمل میں بہت ترقی کر سکتا ہے"۔ (الفضل 22 مارچ 1944ء)

1: الحجر:3